علامہ اقبال کی شاعری کا چوتھا دور

تحسین انجم
ریسرچ اسکالر(ایم فل اردو)منہاج یونیورسٹی لاہور

Abstract

Although Allama Muhammad Iqbal's poetry is universal and the influence of traditional Urdu poetry on his early poetry is significant. Perhaps this is why he thought of giving up poetry but continued to write at the behest of Sir Abdul Qadir and Professor Arnold. But in this period, Iqbal wrote deviated from the tradition and gave a new turn to his thinking and imagination. This poetry of Iqbal jolts the thinking patterns of the Muslims and creates a new way of thinking in them, it creates in them a hope to live. To understand the views of Allama Muhammad Iqbal, the Iqbal scholars have divided his poetry into four periods. In his poetry, Allama Muhammad Iqbal has tried to awaken the dormant emotions of Muslims by using "concept of self", "philosophy of love" and "man of faith". He established his own theory and philosophy after observation, study and reflection but he stuck to it till end.

علامہ محمد اقبالؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اُردو شاعری میں جب بھی نئے افکار، نئے موضوعات اور نئے فلسفوں کی تلاش و جستجو کی جائے گی اقبال کا نام سرفہرست ہو گا۔ اگرچہ اقبال سے پہلے غالب بھی نئے موضوعات کو غزل میں پیش کرنے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے مگر اقبال کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے غزل کے ساتھ ساتھ نظم میں بھی نئے تصورات پیش کیے۔ ان کا مخاطب کلاسیکی شاعری کی طرح صرف محبوب، رقیب یا ناصح نہ تھا بلکہ ان کا پیغام، ہمہ گیر تھا ان کا تخیل بے نظیر، لاجواب اور بے مثال تھا۔ اقبال کے ہاں ''عشق'' روایتی عشق نہیں بلکہ شوق، لگن اور جستجو کے معنوں میں آیا ہے اور یہ ''عشق'' نصب العین، نظریے اور منزل کا ''عشق'' ہے یوں تو اقبال کی شاعری ہندوستان کے باسیوں کے لیے تھی بلکہ یوں کہا جائے کہ اپنی شاعری کے ذریعے انھوں نے مسلمانوں کے ذہنوں میں سوچ کی نئی لہر اور زندگی کی روح پھونکی توغلط نہ ہو گا مگر اقبال کی شاعری کا یہ پیغام اتنا مؤثر اور شاندار تھا کہ اس کا چرچا ایران و توران، روم اور انگلستان تک ہوا اور یوں عالمی سطح پر اقبال کی شاعری، ان کے افکار، تصورات اور موضوعات کو شہرت و پذیرائی حاصل ہوئی اور یوں اقبال کا اپنا شعر ہی ان کی شخصیت پر دال ہے۔

{ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا}

اقبال کے افکار و تصورات پر غور کیا جائے تو وقت کے ساتھ ساتھ ان میں پختگی و مہارت واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ اگرچہ قیام یورپ کے دوران میں ایک بار اقبال نے شاعری ترک کرنے کا بھی مصمم ارادہ کر لیا تھا اور اس بات کا ذکر شیخ عبدالقادر ''بانگ درا'' کے دیباچے میں کچھ یوں کرتے ہیں کہ:

> {ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ مصمم ہو گیا ہے کہ وہ شاعری ترک کر دیں اور قسم کھا لیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت شاعری میں صرف ہوتا ہے اسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے میں نے ان سے کہا کہ ان کی شاعری ایسی شاعری نہیں ہے جسے ترک کرنا چاہیے بلکہ ان کے کلام میں وہ تاثیر ہے جس سے ممکن ہے کہ ہماری درماندہ قوم اور ہمارے کم نصیب ملک کے امراض کا علاج ہو سکے اس لیے ایسی مفید خداداد طاقت کو بیکار کرنا درست نہ ہو گا۔}[1]

شیخ عبدالقادرمزید بیان کرتے ہیں کہ یہ بات علامہ اقبال کے دل کو کچھ لگی اور طے یہ پایا کہ پروفیسر آرنلڈ سے مشورہ کیا جائے اگروہ عبدالقادر کے ہم خیال ہوئے تو شاعری جاری رکھی جائے گی اور اگر وہ اقبال کی بات سے متفق ہوئے تو فوراً شاعری ترک کر دی جائے گی۔ اردو ادب اور برصغیر کے عوام کی خوش قسمتی کہ پروفیسر آرنلڈ نے شیخ عبدالقادر کے خیال سے اتفاق کیا اور یوں اُردو ادب ایک عظیم شاعر اور مفکر سے محروم ہونے سے بچ گیا۔اس کے بعد اقبال نے شاعری پر زیادہ توجہ دی اور اپنے تخیل کے زور پر اس میں مزید نکھار اور حسن و خوبصورتی پیدا کی۔

اقبال کے ذہنی و فکری ارتقاء کا جائزہ لیتے ہوئے ناقدین ادب نے آسانی کی خاطر ان کی شاعری کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ اس سلسلے میں پہلا نام شیخ عبدالقادر کا آتا ہے جنھوں نے ''بانگ درا'' کے دیباچے میں اقبال

کی شاعری کو تین ادوار میں تقسیم کیا۔

{1- پہلا دور: ابتدا سے 1905ء تک

2- دوسرا دور: 1905ء سے 1908ء تک

3- تیسرا دور: 1908ء سے 1924ء تک (یعنی ''بانگ درا'' کی اشاعت تک) }[2]

شیخ عبدالقادر کے بعد چند اور ناقدین ادب نے ''بانگ درا'' کے بعد کی اردو شاعری کو مزید ایک دور کا نام دیا اور یوں اقبال کی شاعری کو چار ادوار میں منقسم کیا گیا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ''اقبال کا ذہنی و فکری ارتقاء'' میں لکھا ہے :

{چنانچہ مولانا عبدالسلام ندوي اور طاہر فاروقي نے اقبال كي شاعري كے چار ادوار قائم کئے ہیں۔ ان دونوں کے ہاں ادوار کا تعین تقریباً یکساں ہے۔ طاہر فاروقي نے اپني کتاب ''سیرت اقبال'' اور عبدالسلام ندوي نے اپني کتاب'' اقبال کامل'' میں ان ادوار کا تعین کیا ہے۔ ان دونوں کے نزدیک اقبال كي شاعري کے مندرجہ ذیل چار ادوار ہیں۔

1- پہلا دور از ابتدا تا1905ء یعنی اقبال کے بغرضِ تعلیم یورپ جانے تک کی شاعری

2- دوسرا دور 1905ء تا 1908ء یعنی اقبال کے قیامِ یورپ کے زمانہ کی شاعری

3- تیسرا دور 1908ء تا 1924ء یعنی یورپ سے واپس آنے کے بعد ''بانگ درا '' کی اشاعت تک کی شاعری

4- چوتھا دور 1924ءتا 1938ء''بانگ درا'' کی اشاعت سے اقبال کے وفات تک کی شاعری}[3]

اس کے علاوہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اقبال کی شاعری میں ایک دور کا اضافہ کرتے ہوئے اسے پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ دراصل سید عبداللہ نے ان کی شاعری کو ان سیاسی واقعات کی روشنی میں تقسیم کرنے کی کوشش کی جس سے ہندوستان کے مسلمان متاثر ہوتے رہے۔مندرجہ بالا تقسیم سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کی شاعری کا ادوار میں تقسیم کیا جانا مطالعہ اقبال کے لیے نا گزیر تھا وگرنہ اس کو سمجھناعام قاری کی بات نہ تھی۔

اس حوالے سے مبشر علی صدیقی لکھتے ہیں :

{اقبال کے کلام کا اگر بغیر کسی خاص ترتیب کے مطالعہ کیا جائے تو مسرت ضرور حاصل ہو گی۔ لیکن یہ مطالعہ ناقدانہ نظر ڈالنے کے لئے کافی نہ ہو گا۔ ایسی صورت میں ہم بحیثیت مجموعی اقبال کی شاعری کے متعلق کوئی نظریہ قائم نہیں کر سکتے۔ اقبال کے ذہنی ارتقاء کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ہمیں ان کے کلام کا مطالعہ چند اصولوں کے ماتحت کرنا ہو گا۔ اگر کوئی شخص پہلے ضرب کلیم کو پڑھے اس کے بعد بال جبریل اور بانگ درا کا مطالعہ کرے تو بہت ممکن ہے کہ وہ بعض نظموں کو پڑھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو جائے کہ اقبال کی شاعری میں تضاد پایا جاتا ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم پہلے اقبال کی شاعری کے دور قائم کر لیں اور پھر اسی ترتیب سے اقبال کے کلام کا مطالعہ کریں}.[4]

شاعری کا چوتھا دور

فکری لحاظ سے اسے اقبال کی شاعری کا آخری دور کہا جاتاہے۔ یہ دور 1924ء سے ان کی وفات 1938ءتک ہے۔گزشتہ ادوار میں مخصوص سیاسی محرکات تھے۔ بعد میں اقبال کا انداز بیاں اتنا پرجوش نہیں دکھائی دیتا البتہ افکار و نظریات میں پختگی آ گئی تھی گویا یہ دور ان کے فکر و فلسفہ کی پختگی و تکمیل کا دور ہے۔ اقبال کی شاعری کا محور و مرکز موضوع ''خودی'' ہی ہے۔ اس دور میں فلسفہ خودی اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ کلام میں نظر آتا ہے۔

{خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیل} [5]

{خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
تو آبجو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں
خودی میں ڈوبتے ہیں پھرابھربھی آتے ہیں
مگر یہ حوصلہ مرد ہیچ کارہ نہیں} [6]

{خودی کا سر نہاں لا الٰہ اِلا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ اِلا اللہ } [7]

اقبال کی ’’خودی‘‘ کے تمام مراحل اس دور میں نظر آتے ہیں اور انسانی فضیلت و عظمت اقبال کو خودی کے زندہ ہونے یا خودی والی زندگی گزارنے میں ہی دکھائی دیتی ہے۔ اس کا اظہار وہ اپنی نظم ’’خودی کی زندگی‘‘ میں کرتے ہیں۔

{خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بے کراں پایاب
خودی ہو زندہ تو کہسار پرنیان و حریر
نہنگ زندہ ہے اپنے محیط میں آزاد
نہنگ مردہ کو موجِ سراب بھی زنجیر!} [8]

’’اقبال کاتصور خودی ‘‘ کے مصنف کے بہ قول

{ اقبال کے نزدیک خودی اپنی تمام جلوہ آرائیوں کے ساتھ اس کائنات میں اپنا اظہار چاہتی ہے اس کی اصل روح روحانی ہے اقبال فرد کی ترقی کے لیے خودی کی تربیت پر بہت زور دیتے ہیں کیونکہ اس کی تربیت انسان کی زندگی کا حقیقی نصب العین ہے۔}[9]

’’خودی‘‘ کو اقبال نے ’’غرور‘‘ ، ’’تکبر‘‘، ’’خودی غرضی‘‘، ’’خودسری‘‘ اور ’’فخر‘‘ کے صنفی معنوں میں استعمال کرنے کے بجائے اسے ’’عرفا ن ذات‘‘ کے مثبت رنگ میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔

{خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں
جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیازنہیں} [10]

اقبال اور فلسفہ خودی میں کہا گیا ہے کہ

{ اقبال کا تصورِ خودی عارفوں کے لئے ہے،اہلِ نظر کے لئے ہے،شب بیداروں کے لئے ہے،آہِ سحر گاہی سے آشنا روحوں کے لئے ہے،دل والوں کے لئے ہے،عشق والوں کے لئے ہے۔ یہ وہ علم ہے جو اہلِ علم کے لئے نہیں بلکہ اہلِ نظر کے لئے ہے}۔[11]

{یہ پیام دے گئی مجھے باد صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی} [12]

اس مرحلے کا دوسرا اہم جزو ’’عقل و عشق‘‘ کا تصادم ہے جس میں جیت ہمیشہ عشق کو ہی نصیب ہوئی۔ اپنی نظم ’’ذوق و شوق‘‘ میں اس بات کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ:

{عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین ہے عشق
عشق نہ ہوتو شرع و دین بت کدہ تصورات
صدق خلیلؑ بھی ہے عشق، خبر حسینؓ بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق} [13]

’’اقبالؒ کا فلسفہ عشق‘‘میں پروفیسر خالد مبین لکھتے ہیں :

{ اقبال کے نزدیک جذبہ عشق زندگی کی تمام صورتوں اور اس کے مقاصد پر محیط ہے بلکہ ان کا منبع وسرچشمہ ہے۔ یہ بہ یک آن خودی کی منفرد اکائیوں میں بھی کارفرما ہے اور ان کے کل میں بھی}، [14]

اقبال کی شاعری میں ’’عشق‘‘ بنیاد ہے جس پر انسانی زندگی کی عمارت استوار کی جاتی ہے۔ عشق اس قوت حیات سے عبارت ہے جو اپنی اصل کی صرف رجوع کرنے کے لیے درکار ہے۔ کائنات کی ہر شے اصول حرکت پر قائم ہے۔ عشق کے مختلف پہلو اقبال نے کچھ یوں واضح کیے ہیں۔

{عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز دم بہ دم}
[15]

{حد ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دوری} [16]

{عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم} [17]

اس دور کی شاعری کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اقبال کا تصور عشق اپنی معراج کو پہنچا ہوا ہے۔ اور وہ اپنے ''مردِ کامل'' (جسے وہ کبھی ''مرد خدا'' کے نام سے یاد کرتے ہیں تو کبھی ''مرد قلندر''،''مرد مومن''، ''مرد مسلمان''، ''مرد حق'' کہہ کر پکارتے ہیں) کے لیے جہاں ''خودی'' کو ضروری سمجھتے ہیں وہاں ''عشق'' کا ہونا بھی لازمی قرار دیتے ہیں۔ وہ اپنی نظم ''مسجد قرطبہ'' میں عشق کی اہمیت و فضیلت بیان کرتے ہوئے اسے ''اصل حیات'' کا درجہ کچھ ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

{ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبرئیل، عشق دل مصطفیﷺ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہہ حرم، عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مغراب سے نغمہ تار حیات
عشق سے نور حیات، عشق سے نارحیا ت} [18]

اس دور میں اقبال نے سیاسی موضوعات کو بھی نظم کا حصہ بنایا ہے مثلاً اشتراکیت کو نظم ''فرمانِ خدا'' میں بیان کیا۔ ایک اورنظم ''لینن'' (خدا کے حضور میں) مغربی تہذیب و تمدن اور بے شمار مادہ پرستی کی خرابیاں کچھ یوں بیان کی ہیں۔

{وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات؟
مشرق کے خداوند سفید آن فرنگی
مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم فسادات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات} [19]
19

اس دور میں ''ساقی نامہ'' جیسی پرجوش، مترنم اور رواں نظم شامل ہے۔ اس کے علاوہ ''ہسپانیہ''، ''مسجد قرطبہ''، ''ذوق و شوق''، ''طارق کی دعا''، جیسی عمدہ اور بہترین نظمیں بھی اسی دور میں تحریر کی ہیں۔

گزشتہ ادوار کے تصورات کے بیان کے ساتھ ساتھ کچھ نئے افکار و نظریات بھی اس دور کی شاعری میں دکھائی دیتے ہیں۔ اسی دور کی نظموں میں اقبال نے شیطان/ ابلیس کے کردار کو اہم بنا کر پیش کیا ہے۔اس دور کے کلام میں کچھ نئے تصورات سامنے آئے مثلاً شیطان کے متعلق نظم'' جبریل و ابلیس''

{ہے مری جرات سے مشت خاک میں ذوق نمود
میرے فتنے جامہ عقل و خرد کا تاروپو
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصہ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو}
[20]

شیطان کے اس نئے تصور کے ساتھ ساتھ اقبال نے اشتراکیت، شہنشاہیت اور جمہوریت کے بارے میں بھی اپنی رائے کا اظہار کھل کر کیا اور مغربی تہذیب کے خلاف ببانگ دہل علم بغاوت بلند کیا اور اس کے کھوکھلے پن، اس کی کمزوری و ناتوانی کو پوری طرح عیاں کرتے ہیں۔ مثلاً

{نہ کر افرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے
کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی براقی} [21]

{ڈھونڈ رہا ہے مزنگ عیش جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام، وائے تمنائے خام!} [22]

جنوری 1935ء میں اقبال اک اردو مجموعہ کلام ''بال جبریل'' شائع ہوا۔ اس کے دو برس بعد ''ضرب کلیم'' 1937ء میں شائع ہوئی۔ علامہ کی وفات کے بعد ''ارمغان حجاز'' شائع ہوا۔ ان کتابوں نے اردو ادب میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ ہر طرف اسی کا چرچا اور غل تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے اردو ادب میں اتنا پختہ، عمدہ، ٹھوس اور وقیع و دقیق کلام دکھائی نہیں دیتا۔محمد جمیل احمد اپنے مضمون ''علامہ اقبال کی اردو شاعری'' میں لکھتے ہیں کہ:

{اس چالیس پنتالیس برس کے زمانہ میں جب سے مشرق کے اس شاعر اعظم نے شعر گوئی میں سرگرمی دکھائی۔ آخر تک برابر اس کا علمی اور ذہنی ارتقاء جاری رہا اور حیات اقبال کا آخری زمانہ وہ تھا جب ہم کہہ سکتے ہیں کہ اقبال اس ارتقاء کی انتہائی بلندیوں پر سرگرم خرام تھا لیکن اس کا سوز جستجو وہاں پہنچ کر ختم نہیں ہوا تھا۔ } [23]

''بانگ درا'' دراصل ان کی اردو شاعری کا ابتدائی کلام ہے۔ اس لیے اس میں ارتقائی معارج و مدارج صاف نظر آتے ہیں اور خود ان کی روح پر ایک غنودگی اور کیف و سرور کی کیفیت طاری معلوم ہوتی ہے مگر اب وہ اپنی تمام عظمتوں کے ساتھ کائنات پر چھا چکے تھے۔ اب ان کے لیے کوئی پردہ نہ تھا۔ اور ان کی نگاہ حریم ذات تک پہنچ چکی ہے۔

{میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں
غلغلہ ہائے الامان بت کدہ صفات میں
حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں
میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں
گرچہ ہے میری جستجو دیر و حرم کی نقش بند

میری فغاں سے رستخیز کعبہ و سومنات میں
گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دل وجود
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں
تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینہ کائنات میں!} [24]

''بال جبریل'' اور ''ضرب کلیم'' کی غزلیات اور نظموں پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اقبال اس دور میں ''گل و بلبل'' کے سحر انگیز بیان اور نااُمیدی و قنوطیت پر مبنی نغموں سے بے نیاز ہو کر دنیا کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے پرجوش انداز بیان اور خطیبانہ لب و لہجہ کا سہارا لیتے ہوئے دکھتے ہیں۔ اس کلام میں نہ کوئی زیر و بم، کوئی بلندی و پستی اور کوئی ناہمواری نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اب ان کا کلام یکساں اور برابر نظر آتا ہے۔ اس میں بلندی ہی بلندی ہے۔ پھر وہ ان کا فلسفہ خودی ہو یا عشق، تصورِ مرد مومن کا بیاں ہو یا عشق رسولﷺ، اشتراکیت کا ذکر ہو یا ابلیس کے نئے تصورات ہر حوالے سے کلام اپنے عروج اور بلندی پر ہے۔

[بانگِ درا کی طباعت اول ۱۹۲۴ء میں ہوئی اور اس کی اشاعت کے بعد آپ نے اردو میں جو کچھ بھی لکھا وہ ان کی شاعری کا چوتھا دور ہے ۔ اب ان کے پاس ایک مکمل فکری نظام تھا اورخارجی دنیا کے مقابلے میں روحانی اور باطنی دنیا زیادہ اہم بن گئی اور خودی کے تصورات محرکاتِ شاعری بنے ۔ بالِ جبریل اور ضربِ کلیم میں خودی کی گونج سنائی دیتی ہے۔}[25]

''ضرب کلیم'' کی نظم ''مرد مسلمان'' جہاں افکار اقبال کے عروج کی عمدہ مثال ہے وہیں ''تصور مرد مومن'' بھی ترقی کے سب زینے طے کرتا دکھائی دیتا ہے۔

{ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں کردار میں، اللہ کی برہان!
قہاری و غفاری و قدوسی وجبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایہ جبریل امیں بندہ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن!
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگرلالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورہ رحمن
بنتے ہیں مری کارگہِ فکر میں انجم
لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان! } [26]

''بال جبریل'' اور ''ضرب کلیم'' کی غزلیات بھی اس دور کی شاعری میں خاص مقام و مرتبہ رکھتی ہیں۔ ان غزلیات میں بھی اقبال کا فکر و فن خاص انداز سے جلوہ گری کرتا ہے۔ ''بال جبریل'' کا آغاز ہی غزلیات سے ہوتا ہے اور یہ اقبال کے اردو کلام کا بہترین نمونہ ہیں۔ اگرچہ ایک دور میں بعض اصحاب کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ اقبال کی شاعری غزل کی ذیل میں نہیں آتی کیونکہ یہ غزل کے متعین کردہ معیارات پر پورا نہیں اترتی لیکن یہ اعتراض محض ان لوگوں کی طرف سے تھا جو قدیم روایات کی اندھی تقلید کرتے ہیں اور ادب میں نئے معیارات اور حسن کے نئے اصولوں کو کھلے دل سے قبول نہیں کرتے۔ ''بال جبریل'' کی یہ شاعری یقینا اُردو غزل میں بے نظیر اضافہ ہے۔ ان غزلیات نے اردو غزل کو ایک نئی شاہراہ پر گامزن کیا اور جدید غزل کے خدوخال وضع کیے۔ اس کے دامن کو نئے موضوعات سے مالامال کیا۔

{عالم آب و خاک و باد! سرعیاں ہے تو کہ میں
وہ جو نظر سے ہے نہاں، اس کا جہاں ہے تو کہ
میں

وہ شب درد و سوز و غم، کہتے ہیں زندگی جسے
اس کی سحر ہے تو کہ میں، اس کی آذاں ہے تو کہ میں
کس کی نمود کے لیے شام و سحر ہیں گرم سیر
شانہ روزگار پر بارگراں ہے تو کہ میں
تو کف خاک و بے بصر میں کفِ خاک و خود نگر
کشت وجود کے لیے آب رواں ہے تو کہ میں
{ [27]

''بال جبریل'' میں اقبال کے فکر و فن کے ملاپ نے ایسی شاعری کو جنم دیا ہے جس کی کوئی دوسری مثال اُردو شاعری میں اقبال کے بعد دکھائی نہیں دیتی یہی رنگ ان کی بعد کی کتاب ''ضرب کلیم'' میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ وہ غزلیں بھی اس کا تسلسل محسوس ہوتی ہیں۔''ادبی فکری تحریکات اور اقبال''اس میں کہا گیا ہے کہ [غزل کے فن میں جو پختگی اقبال نے بالِ جبریل میں حاصل کر لی تھی ، آگے چل کر وہ ضرب ِکلیم کی غزلوں میں برقرار رہی۔ ضربِ کلیم بنیادی طور پر نظم کا مجموعہ ہے لیکن اس میں شامل پانچ غزلیں بھی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہیں۔ یہ غزلیں اپنے اسلوب ، فنی پختگی اور فکری بالیدگی کے اعتبار سے بالِ جبریل کے تسلسل میں ہیں۔} [28]۔''ارمغان حجاز'' کی اردو نظموں میں پندو نصیحت اور اخلاقی موضوعات کا رنگ غالب دکھائی دیتا ہے۔ ''ابلیس کی مجلس شوری'' ، ''بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو'' ، ''عالم برزخ''، ''دوزخی کی مناجات'' اقبال کی شاعری کے کمال و فن کی عمدہ اور بہترین مثالیں ہیں۔ اقبال جب اپنی قوم کی بے حسی پر چیخ اٹھتے ہیں تو پھر ''آواز غیب'' بلند ہوتی ہے۔

{آتی ہے دم صبح صدا عرش بریں سے
کھویا گیا کس طرح ترا جوہر ادراک
کس طرح ہوا کند ترا نشتر تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک
تو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزاوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلام خس و خاشاک
اب تک ہے رواں گرچہ ہو تیری رگوں میں
نے گرمی افکار، نہ اندیشہ بے باک
روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں بیں نہیں ہوتی
جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگہ پاک
باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتہ سلطانی و ملائی و پیری!} [29]

اس دور میں اقبال نے فارسی کلام پر زیادہ توجہ دی اور بہترین تصانیف منظر عام پر آئیں۔ ''زبورعجم'' جو کہ 1927ء میں شائع ہوئی اس کا ذکر اقبال اپنے ایک خط میں بھی کرتے ہیں اور اس کے اوصاف بھی بیان کرتے ہیں۔ 31 جنوری 1927ء کو مولانا گرامی کے نام یہ مکتوب لکھا گیا:

{زندگی کا کوئی اعتبار نہیں دیرینہ ہم خیالونکی صحبت میں جو دم گزر جائے غنیمت ہے۔ اس کے علاوہ یہ عرض ہے کہ میری کتاب ''زبور عجم'' ختم ہو گئی ہے۔ ایک دو روز تک کاتب کے ہاتھ میں جائے گی اور پندرہ دن کے اندر اندر شائع ہو جائے گی۔ اسکے چار حصے ہیں پہلے حصے میں انسان اک راز و نیاز خدا کے ساتھ، دوسرے حصے میں آدم کے خیالات آدم کے متعلق۔ طرز دونوں کی غزلیات کے موافق یعنی الگ الگ غزل نما ٹکڑے ہیں۔ پس تیسرے حصے میں مثنوی گلشن راز (محمود شبستری) کے سوالوں کے جواب میں اس کا نام میں نے مثنوی گلشن راز جدید تجویز کیا ہے۔ چوتھے حصے میں ایک مثنوی ہے جس کا نام میں نے بندگی نامہ تجویز کیا ہے۔ مثنوی کا مضمون یہ ہے کہ غلامی کا اثر فنون لطیفہ مثلاً موسیقی و مصوری وغیرہ پر کیا ہوتا ہے۔ کل مجموعہ کا نام ''زبور عجم''

ہے۔ } [30]

اس کتاب میں اقبال نے فارسی غزل، مستزاد اور مثنوی کو اعلیٰ درجہ و مقام عطا کیا ہے۔ ’’زبور عجم‘‘ کے مستزاد آمیز منظومات کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔

{یا مسلماں راحدہ فرماں کہ جاں بر کف بنہ
یا دریں فرسودہ پیکر تازہ جانی آفریں
یا چناں کن یا چنیں

۲۔

مانند صبا خیز و وزیدن دگر آموز
دامان گل و لالہ کشیدن دگر آموز
اندر دلک غنچہ خزیدن دگر آموز}[31]

اس دور کی دوسری بڑی اور قابل ذکر فارسی تصنیف ’’جاوید نامہ‘‘ ہے۔ اس کے بارے میں اقبال کا اپنا کہنا ہے کہ یہ میرا تمام زندگی کا حاصل ہے۔ اور ایک جگہ کہتے ہیں کہ اس ’’جاوید نامہ‘‘ کی تکمیل میں میرا دل، دماغ نچڑ کر رہ گئے ہیں۔جاویدنامہ کے علاوہ فارسی شاعری کی مثنوی پس چہ بائد کرد اے اقوم شرق اور’’ امغان حجاز‘‘ میں شامل فارسی کلام بھی قابل ذکرہیں۔اس دور کی زیادہ تر شاعری فن سے زیادہ فلسفے کی عکاس ہے۔ بیشتر حوالوں سے یہ دور پچھلے افکار کی تکمیل کرتا ہے۔ خصوصاً اسلامی اقدار، اسلامی فلسفہ، مغربی اور مشرقی تہذیب کا موازنہ،عالمگیری، مسلم، اتحاد و اخوت، یہ تمام افکار اس دور میں تکمیل پاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ دور اقبال کی شاعری کا اہم دور ہے۔

{ضمیر مغرب ہے تاجرانہ، ضمیر مشرق ہے راہبانہ
وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ
کنار دریا خضر نے مجھ سے کہا یہ اندازِ مجرمانہ
سکندری ہو، قلندری ہو، یہ سب طریقے ہیں ساحرانہ
حریف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایان خانقاہی
انھیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شق نہ ہو سنگ آستانہ
غلام قوموں کے علم و عرفان کی ہے یہی رمز آشکارا
زمیں اگر تنگ ہے تو کیا ہے فضائے گردوں ہے بے کرانہ
خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانہ
مری اسیری پہ شاخ گل نے یہ کہہ کے صیاد کو رلایا
کہ ایسے پر سوز نغمہ خواں کا گراں نہ تھا مجھ پہ آشیانہ} [32]

اقبال کے فکری و فن اور اس کے ارتقاء پر بحث کرتے ہوئےعبدلمغنی لکھتے ہیں کہ:

{ اقبال کے فکر و فن کا ارتقا، ان کی موت کے ساتھ مکمل یا ختم ہوا اور اگر وہ کچھ دن اور زندہ رہتےتو یقین ہے کہ ان کے قلم سے مزید نئی تخلیقات دنیائے ادب کو ملتیں۔ خوب سے خوب تر کی جستجو اقبال کے لیے محض ایک فلسفہ نہیں تھا۔ ان کی زندگی کا لائحہ عمل بھی تھا جس کا سب سے معتبر اور مؤثر اظہار ان کی شاعری ہی میں ہوا۔ اس لیے مرنے کے بعد بھی ’’ابلیس کی مجلس شوریٰ‘‘ جیسا تخلیقی کارنامہ اقبال ایک

ایسے فکری وفنی ورثے کے طور پر چھوڑ گئے جس کے
امکانات نظم کے مضمرات سے ہو ا۔ چنانچہ اقبال کے کلام و
پیام کی عظمت کا ایک راز اس کا مسلسل و مربوط فکری و فنی
ارتقا بھی ہے جو بجائے خود شاعری کی تاریخ میں ایک بے
نظیر نمونہ کمال ہے۔ }[33]

اقبال کی شاعری کے تمام ادوار کا جائزہ لیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ فکری اعتبار سے مختلف منازل سے گزرے۔ ابتدا میں اگر وطن پرست نظر آتے ہیں تو غوروفکر کے بعد اس کا درس اپنی قوم کو بھی دیتے ہیں۔ انھوں نے مشاہدے، مطالعے، غوروفکر کے بعد اپنا ایک نظریہ اور فلسفہ قائم کیا لیکن پھر آخری وقت تک اسی پر قائم رہے اور مستقل مزاجی سے اس کا اظہار کرتے رہے۔

حوالہ جات

1 اقبال،علامہ محمد(2004) کلیات اقبال۔لاہور اقبال اکیڈمی پاکستان ص،27
2 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،30
3 https://urdu.tebyan.net/index.aspx?pid=201654
بوقت: 11بجے رات۔ بتاریخ2جولائی2020ء
4 https://www.punjnud.com/ViewPage.aspx?BookID=6867&BookPageID=185515&BookPageTitle=Iqbal%20Ki%20Shairi%20Ke%20Teen%20Daur
بوقت: 11بج کر20 منٹ، رات۔ بتاریخ2جولائی2020ء
5 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،391
6 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،372
7 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،527
8 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،589،590
9 https://www.nawaiwaqt.com.pk/10-Nov-2017/698856
بوقت: 11بج کر 30 منٹ، رات۔ بتاریخ2جولائی2020ء
10 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،372
11 https://www.nawaiwaqt.com.pk/10-Nov-2017/698856
بوقت: 12بجے رات۔ بتاریخ3جولائی2020ء
12 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،377
13 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،439
14 https://jang.com.pk/news/631038
بوقت: 12بج کر 20 منٹ، رات۔ بتاریخ3جولائی2020ء
15 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،368
16 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،388
17 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،389
18 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،420،421
19 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،434،435
20 https://www.urduweb.org/mehfil/threads/%D8%A7%D9%82%D8%A8%D8%A7%D9%84-%DA%A9%D8%A7-%D8%B0%DB%81%D9%86%DB%8C-%D8%A7%D9%88%D8%B1-%D9%81%DA%A9%D8%B1%DB%8C-%D8%A7%D8%B1%D8%AA%D9%82%D8%A7.1121/
بوقت: 1بجےرات۔ بتاریخ3جولائی2020ء
21 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،387
22 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،390
23 نقوش 1932 نرنگے خیال اقبال نمبر اقبال اکیڈمی پاکستان ص،804

مدیر یوسف حسین خان
24 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،345
25 https://www.facebook.com/notes/majlis-e-iqbal/%D8%A7%D9%82%D8%A8%D8%A7%D9%84-%D8%B3%D9%88%D8%A7%D9%86%D8%AD-%D8%A7%D9%88%D8%B1-%D8%B4%D8%A7%D8%B9%D8%B1%DB%8C/1347057185356766/
بوقت: 1بج کر 30 منٹ، رات۔ بتاریخ3جولائی2020ء
26 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،573،574
27 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،365
28 https://www.punjnud.com/authors/khalid-iqbal-yasir
بوقت: 12بجےدن۔ بتاریخ3جولائی2020ء
29 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،727،726
30 ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین(2017) اقبال کا ذہنی و فکری ارتقاء،لاہور بزم اقبال2 کلب روڈ ص،125
31 http://urduiat.com/%D9%81%D8%A7%D8%B1%D8%B3%DB%8C-%D8%B4%D8%A7%D8%B9%D8%B1%DB%8C%D8%8C-%D8%A7%D9%88%D8%B1-%D8%A7%D9%82%D8%A8%D8%A7%D9%84-%DA%A9%D8%A7-%D8%A7%D8%B3%D9%84%D9%88%D8%A8-%D8%A8%DB%8C%D8%A7%D9%86-%DA%88/
بوقت: 12بج کر 30 منٹ، دن۔ بتاریخ3جولائی2020ء
32 اقبال،علامہ محمد کلیات اقبال۔لاہور ص،750،749
33 عبدالمغنی(1991) اقبال کا ذہنی و فقری ارتقا نئی دہلی ، انجمن ترقی اردو ص،128